از حضرت مولانا محمد اشرف خان صاحب
اسلامیہ کالج پشاور یونیورسٹی۔

دینی تعلیم اور عصری تقاضے

اسلام میں دینی تعلیم کی جو اہمیت، جامعیت، عمق و وسعت۔ ہمہ گیری و آفاقیت ہے وہ اہل نظر سے اوجھل نہیں۔ دینی تعلیم اصولاً ورثۂ انبیائی ہے۔ جو کلیتہً علم الٰہی پر مبنی ہے اور جس کا ہیولیٰ و پیکر تعلیمات الٰہیہ سے مشتق ہے علم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ جس کے سوتے انسانوں پر انبیائے کرام علیہم السلام کے قلوب مطہرہ سے کھلے اور جاری ہوتے اگر اس کی ابتداء آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہوئی تو نہایت اعلم الناس نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی پر ہوتی ہے ؎

وہ دانائے سبل مولائے کل فخر الرسل — جس نے غبار راہ کو بخشا فروغ وادیٔ سینا

بقول شبستری ؎

ای دگویا بزبانِ فصیح — از الف آدم تا میم مسیح

آپؐ کا صحیفہ آسمانی اور آپ کے ارشادات نورانی انسانیت کے پاس علم و عرفان و ہدایت و نور، خدا رسی اور انسان سازی کا سب سے وسیع اور بڑا سرمایہ ہے جس کے بغیر نہ تو انسانیت بن سکتی ہے نہ باقی رہ سکتی ہے جس میں کوئی کمی نہیں۔ اور وہ انسانیت کے معاش و معاد کے جملہ مصالح و مفادات کا حامل و کفیل ہے جیسا کہ آیت الحمد للّٰہ الذی انزل علیٰ عبدہ الکتاب و لم یجعل لہ عوجاً قیماً کا مفاد ہے۔ اور قیماً کا لفظ اپنی بلاغت میں ان جملہ حقائق کو اپنے میں سموئے ہوئے ہے۔

اسلام کی نگاہ میں چونکہ انسان کی زندگی موت پر ختم نہیں ہوتی۔ اس لئے "الدنیا" کو "الآخرۃ" کا اس طرح پیش خیمہ بنا دیا گیا کہ یہاں کا ہر عمل اپنے آثار و نتائج کے لحاظ سے وہاں مرتب ہوتا ہے گویا دونوں زندگیاں ایک ہی حقیقت کے دو پہلو اور ایک ہی تصویر کے دو رخ ہیں۔ اس بنا پر اسلامی تعلیم اپنے اندر دین و دنیا کے مصالح کو لئے ہوئے ہے وہ حیات کو ایک اکائی سمجھتی ہے۔ اور پہلی (الاولیٰ) زندگی کو پچھلی (الاخرۃ) کی کھیتی قرار دیتی ہے۔ اس لئے اسلامی تعلیم کی جامعیت میں دین و دنیا دونوں آجاتے ہیں۔ وہ علوم جو انسان سازی پر مبنی ہیں ہم انہیں علوم دین

یا علوم مقاصد کہتے ہیں۔ جو مثلاً انبیا علیہم السلام کی وراثت اور ان کے فرائض منصبیہ سے متعلق ہے۔ اور آج دینی تعلیم سے مراد انہی علوم سے لی جاتی ہے۔ دوسرے علوم جو انسان کے اس عالم میں ضروریات زندگی، راحت و آسائش سے متعلق ہیں جس کے بغیر اس دنیا کی زندگی بسر نہیں ہو سکتی ہم انہیں اشیا سازی یا استفادہ کائنات یا دنیاوی علوم یا علوم معاش کہہ سکتے ہیں۔ پیدائش آدم کے وقت ان دونوں علوم کا تذکرہ قرآن کریم نے سورہ بقرہ، الاعراف اور سورہ طٰہ میں کیا ہے "علّم آدم الاسماء کلّھا" میں اس بات کا اظہار ہے کہ فطرت بنی آدم میں اشیاء کے خواص و صفات کا علم سمو دیا گیا۔ یعنی جس دنیا میں آدم علیہ السلام نے اترنا تھا اور وہاں کی زندگی گذارنے کے لئے جن چیزوں کی ضرورت بقائے جسمانی یا راحت انسانی کے لئے تھی ان کا علم انسان کے اندر ودیعت کر دیا گیا اور اس سے استفادہ کے لئے حواس عقل و تجربہ کے آلات عطا کئے گئے۔ اور اس میں کافر و مومن کی تمیز نہیں کی گئی جو بنی آدم بھی حواس سے حاصل کردہ معلومات اور اپنے اور انسانی تجارب کی روشنی میں عقل و فہم سے کوشش کرے گا۔ کائنات سے استفادہ کی راہیں اس پر کھلتی جائیں گی۔ سائنس و ٹیکنالوجی اور دیگر دنیاوی علوم اسی قبیل سے تعلق رکھتے ہیں جس میں محنت و اشتغال سے آج انسان ستاروں پر کمندیں ڈالنے لگا ہے۔ اور چاند و سورج تک رسائی پا رہا ہے۔ لیکن استفادہ کائنات کا علم اس عارضی دنیا کی چند روزہ زندگی کی ضروریات یا آسائش و راحت رسانی کے لئے ہے جس سے مقصود انسان کا اس عالم میں رہتے ہوئے اپنی جسمانی ضروریات بدرجہ کفایت پورا کرنا ہے۔ ان کا انہماک و اشتغال کلی مقصود نہ تھا۔ اس کی مثال اس پانی کی ہے جس پر زندگی کشتی اس کے لئے ہو جائے۔ تو نری ہلاکت ہے۔ عارف رومی نے کہا ہے۔

آب زیر کشتی پشتی است — آب اندر کشتی ہلاک کشتی است

یہی وجہ ہے کہ عصر حاضر انسان کے بارے میں کہا گیا ہے۔

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذرگاہوں کا — اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
اور جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا — اپنی ظلمت شب کو سحر کر نہ سکا

اسی ظلمت شب کے سحر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیا علیہم السلام والا دینی علوم بھیجا۔ جس کے بارے میں ارشاد ہے۔ "قد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین" اور اسی کے بارے میں قصہ آدم علیہ السلام میں وضاحت سے ارشاد فرمایا تھا۔ "فاما یاتینکم منی ھدًی فمن تبع ھدای فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔ (البقرہ ۴۰)

اور سورہ اعراف میں "ھدی" کے لفظ اسی "ھدی" کے حاملین رسل کے تذکرہ سے مبدل فرما کر ارشاد فرمایا "اما یاتینکم رسل منکم یقصون علیکم آیتی فمن اتقٰی واصلح فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔ (اعراف ۴ آیت ۳۸) اور سورۃ طٰہ میں ارشاد فرمایا۔

فاما یاتینکم منی ھدًی فمن اتبع ھدای فلا یضل ولا یشقٰی (طٰہ، آیت ۱۲۳)

غرض رسل کی لائی ہوئی ہدایت (ھدیٰ) وہ نور ہے جس سے انسان کی زندگی روشنی پا کر ظلم وجہل۔ عدوان و سرکشی۔ فسق وفجور۔ عصیان وگناہ۔ حیوانی خواہشات ونفسانی تاریکیوں وبدکاریوں سے نجات پا سکتی ہے۔ قلوب کے اندر خدا شناسی۔ حب الٰہی۔ خشیت ربانی۔ تقویٰ وپارسائی کے چراغ اسی سے روشن ہوتے ہیں۔ اور نفس امارہ کی بدکیشی۔ برائی گناہ ومعصیت کی ظلمت اسی کی برکت سے نکلتی ہے۔ اور نفس انابت وطمانیت کے اس مقام پر پہنچتا ہے۔ جہاں "یا ایتھا النفس المطمئنۃ" کی سرمدی آواز سامع نواز ہوتی ہے۔

یہی وہ نور نبوت ہے جس سے حق وباطل کا امتیاز۔ جائز وناجائز کی تمیز حرام وحلال اور اچھے برے کا فرق معلوم ہوتا ہے۔ یہی وہ چراغ ظہور ہے جس سے انسان علم الٰہی کی روشنی پا کر اپنے کو حدود وقیود کا پابند کر لیتا ہے۔ جو انسان کی جان ومال وآبرو کی حفاظت کا واحد منشور ہے۔

حقوق العباد کی ادائیگی بغیر اس منشور کے ممکن نہیں۔ غرض انسان سازی اور تعمیر انسانیت۔ معرفت وخدا رسی خدمت خلق اور مخلوق کا درد وفکر سب اسی نور ہدایت کی کرنیں ہیں۔ اور یہ حقیقت برملا کہی جا سکتی ہے کہ دنیا میں جہاں بھی خیر کا کوئی ذرہ موجود ہے یا بھلائی کی کوئی کرن دکھائی دیتی ہے یہ اسی نور مبین کا کرشمہ ہے۔ جسے ہدیٰ کہتے یا علم الٰہی کے نام سے پکارئیے۔

علامہ ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم میں امام مالکؒ کا قول نقل کیا ہے:۔

"لیس العلم بکثرۃ الروایۃ۔ انما العلم نور یقذفہ اللہ فی قلوب الرجال" یہی نور انسان پر حقائق تشریعیہ کو منکشف کر کے ان میں یقین راسخ کو پیدا کر دیتا ہے۔ جسے ایمان کہتے ہیں۔ اور جیسے ابن مسعودؓ کی روایت میں " الایمان الیقین کلہ" (بخاری ص ۵ ج ۱) کہا گیا ہے۔ یہی نور جب انسان کے رگ وپے اور جسم وروح میں سرایت کرتا ہے تو اعمال صالحہ کی صورت میں اس کا اظہار ہوتا ہے۔ چنانچہ قرن اول میں علم کے عملی مظاہر کو بھی علم کہہ دیا جاتا تھا۔ چنانچہ جامع ترمذی کی ایک روایت میں "الخشوع" جو کہ ایک عملی کیفیت ہے کو علم کہا گیا۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

"ان شئت لاحدثنک باول علم یرفع من الناس الخشوع یوشک ان تدخل المسجد الجامع فلا تری فیہ رجلا خاشعا (جامع ترمذی جلد دوم باب ما جاء فی ذہاب العلم)

غرض حکمت الٰہیہ نے اس دنیا میں بنی آدم کو بھیج کر کچھ علوم تو اُسے ایسے ودیعت کئے جو یہاں کی زندگی کی رہائش آسائش وزیبائش کا سامان ہے۔ جن سے انسان استفادہ کا اثبات کرتا ہے۔ اور جو آیت ربانی " واستعمرکم فیہا " کا مفاد ہے۔ جیسے علامہ جصاص رازی نے احکام القرآن میں تصریح کی ہے۔

آج سائنس وٹیکنالوجی کے علوم اسی صنف سے تعلق رکھتے ہیں۔ مسلمانوں نے اپنے دور عروج میں ان سے اعراض واغماض نہیں کیا۔ بلکہ موجودہ لادین تہذیب وتمدن سے پیشتر تمام دنیا میں مسلمان ہی اس کے حامل اور اس کی نشأت و

برداشت کرنے والے تھے۔ مرحوم سپانیہ سے لے کر ہند و دیوارِ چین تک بے شمار حکماء و فیلسوف و سائنسدان اسے سنبھالے ہوئے تھے جس کی تفصیل کا یہ مقام نہیں۔ تاہم یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اس علم کے حامل مسلمان سائنس دان اور کافر کیمیا دان میں یہ فرق ہے کہ مومن کے لئے اس راہ کا ہر قدم اللہ تعالیٰ کی قدرت۔ کمال صنعت کاری و حکمت کرشمہ سازی کی راہیں کھولتا ہے۔ اور بے اختیار پکار اٹھتا ہے ؎

اے مصور تیرے ہاتھوں کی بلائیں لے لوں　　　کیا تصویر بنائی ہے میرے بہلانے کے لئے

بقولِ حافظ ؎

ما در پیالہ عکس رخِ یار دیدہ ایم　　　اے بے خبر ز لذت شرب مدام ما

اور کافر اس میں الجھ کر رہ جاتا ہے۔ مسلمان ان اشیاء سے استفادہ کے علم کو اپنی افزائش بصیرت و ایمان کا ذریعہ بناتے ہوئے اس میں کلیۃً منہمک نہیں ہوتا۔ بلکہ اسے خدمت خلق کا ایک ذریعہ گردانتا ہے۔ اور اس میں اتنا کہ اللہ تعالیٰ سے غافل نہیں ہوتا۔

بات پھیلتی جاتی ہے۔ مدعائے سخن یہ ہے کہ اسلام اشیاء سازی کے علوم کا مخالف نہیں لیکن اسے مقصودِ زندگی نہیں گردانتا۔ اپنی نگاہ ہر آن ان علوم پر مرکوز رکھتا ہے جو انسان کے بنانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے ذریعے سے بھیجے۔ اور جس کے سب سے بڑے حامل و عامل عالم و داعی ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ یہ علوم ہمارے پاس آج قرآن و حدیث۔ فقہ و تفسیر۔ کلام و تصوف کی صورت میں سفینوں اور سینوں میں موجود ہیں۔ دینی علوم سینۂ نبوت کا سرمایہ اور نور ہیں جن کا سب سے بڑا مقصد اللہ تعالیٰ کی معرفت اور پہچان تقویٰ و عبادت۔ اخلاق و پارسائی کا حصول۔ صفائی معاملات اور معاشرت کی درستگی ہے۔ یہ علوم انسان پر ایک طرف خدا رسی کی راہیں کھولتے ہیں اور دوسری انسانی زندگی کو ان راہوں پر ڈالتے ہیں جن پر چل کر انسان دوسرے انسان کے حقوق کا محافظ۔ اس کی ناموس کا پاسبان اور اس کی جان و مال کا رکھوالا بن جاتا ہے۔ اور حقوق کی ادائیگی اور فرائض کی پابندی ایسے معاشرے کو وجود بخشتی ہے۔ جو احترام آدمیت۔ اکرام انسانیت۔ باہمی رفق و محبت اخوت و مساوات غمگساری و مواسات کا گہوارہ ہوتا ہے۔ جہاں انسان ایک دوسرے کو کھانے والا اور حقوق کا پامال کرنے والا نہیں ہوتا۔

یہ تعلیم انسان و معاشرہ کی ضرورت ہی نہیں بلکہ معاشرہ اپنی اصلاح و بقا کے لئے اسی تعلیم کا محتاج ہے آج دنیا میں بے راہ روی۔ اخلاقی انارکی۔ سیاسی کجی۔ معاشی ناہمواری اور معاشرتی خرابی پھیلی ہوئی ہے۔ سب اس تعلیم کے فقدان کا نتیجہ ہے مجھے کہنے دیجئے کہ دنیا آج اس تعلیم کی جتنی محتاج ہے۔ شاید اس سے پہلے کبھی بھی نہ تھی۔ اگر ہم نے دنیا کو بچانا ہے۔ اور انسان کو انسانیت کے مقام پر لانا ہے۔ تو ہم ببانگِ دہل یہ کہتے ہیں۔ کہ یہی تعلیم انسانیت

کی بقا، حفاظت، ترقی و کمال کا واحد ذریعہ ہے۔ آیئے دنیا کو بتائیں کہ انسانیت کی تعمیر صرف اس تعلیم میں ہے جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کو دے کر گئے ہیں۔

اس تعلیم کے امین و حامل اور قلعہ ہمارے یہ دینی مدارس اور درسگاہیں اور دارالعلوم ہیں۔ جن کے ایک گوہر شب چراغ اور گل سرسبد دارالعلوم کا جشن صد سالہ منانے کے لئے ہم اکٹھے ہوئے ہیں۔ آج ہمیں شکر و مباہات، احسان مندی و فخر کے ملے جلے جذبات کے ساتھ یہ سوچنا ہے۔ کہ ہم نے کتنی منزل طے کی ہے۔ اور ہمیں آگے کیا کرنا ہے۔

دینی تعلیم کا اصل مقصد تو علم نبوت کی ترویج و اشاعت اور تعلیم و تعلم ہے تاکہ یہ امت بحیثیت کے حسب منشائے الٰہی اپنی زندگی انفرادی اور اجتماعی اعتبار سے گذار سکے۔ اور اس علم سے علماً و عملاً آراستہ ہو کر عالم میں نقش حق کو قائم اور دین کی دعوت کو عام کر سکے۔ ظاہر ہے اس کے لئے دینی تعلیم کا وہ حصہ ضروری اور کافی ہے۔ جو منقولات قرآن و حدیث فقہ و تفسیر، عقائد و کلام، تصوف اور اسرار دین کے علوم میں منحصر ہے۔ ہمارے مدارس بحمداللہ تعالیٰ کافی حد تک ان علوم کی تعلیم دینے میں منہمک ہیں۔ اور ان کا اصل سرمایہ اور میدان بھی یہی ہے۔ بحمداللہ تعالیٰ اسی مروجہ نصاب تعلیم سے علم و عمل کی وہ نادرہ دہر شخصیتیں بفضلہ تعالیٰ پیدا ہوئیں۔ جو اپنے اپنے دائرہ میں خود محیط علم اور سرآمد روزگار تھیں۔ ملت کے دینی و علمی، سیاسی و معاشی، انفرادی و اجتماعی غرض جملہ تقاضوں میں قندیل رہبانی اور روشنی کا مینار بن کر امت کی راہ نمائی کرتی رہی ہیں۔ اور آج امت محمدیہ میں حیات ملی کا جو خون دوڑ رہا ہے۔ یا علم و عمل کی جس قدر توانائی پائی جاتی ہے اور دین کا جس قدر حصہ باقی ہے۔ انہی بوریہ نشین بادہ توحید کے سرشاروں اور علوم نبویہ کے غم گساروں کی برکت ہے۔ جزاکم اللہ عنا وعن سائر الامۃ احسن الجزاء وکثر اللہ امثالہم۔

آج جدید زمانہ اور دنیا دور بے شمار تقاضوں اور ضرورتوں کے ساتھ سایہ افگن ہے۔ تہذیب حاضر اپنی جملہ فتنہ سامانیاں کج ادائیاں، دلفریبیوں اور ذہنی و علمی موشگافیوں کے ساتھ ملت کے ایک کثیر طبقہ کو دین کے بارے ہی شک وارتیاب، بے دینی والحاد کی راہ پر ڈالنے پر کمربستہ ہے۔ کہیں سیاست و معاشیات، کہیں فلسفہ استشراق کہیں سائنس و ٹیکنالوجی کہیں تہذیب و تمدن اپنے اپنے رخ سے دین و مذہب کی چولیں ہلانے پر تلا ہوا ہے۔ آج حقیقتاً دنیا میں صرف ایک ہی دین ہے۔ جس کے بارے میں ارشاد ربانی ہے۔ ان الدین عنداللہ الاسلام جو زندگی کے جملہ گوشوں اور معاشرت کے جملہ پہلوؤں اور حیات انسان کے کل وجود پر حاوی ہے۔ اس لئے عالم انسانیت میں جو فتنہ ابھرتا ہے اس کی اصلی زد صرف اسلام پر پڑتی ہے۔ دنیا میں کوئی فکری یا علمی بھونچال آتا ہے اس کا مدعا اسی دین قیم کی جڑوں کو متزلزل کرنا ہوتا ہے۔ سیاسی یا معاشی نظریات کی جو آندھی چلتی ہے وہ العیاذ باللہ اسلام کے چہرہ کو غبار آلود کرنا چاہتی ہے۔ الحاد و دہریت کا جو سیلاب اٹھتا ہے اس کی سرکش موجیں اسلام کے ساحل پر چھا جانا چاہتی ہیں۔ کفر کا ہر ریلہ فرزندان توحید کو نگل لینا چاہتا ہے۔ اور بے دینی کی ہر صدا غلغلہ حق کو دبا دینا

چاہتی ہے۔ غرض خاتم انبیاء رسول الثقلین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا لافانی دین اسلام ہر طرف سے ہر اعتبار سے ہر رخ سے کفر و طغیان بے دینی و الحاد کے نرغے میں ہے۔ اس قدر شدید ذہنی و فکری۔ معاشی و سیاسی۔ تہذیبی و تمدنی۔ معاشرتی و تعلیمی یلغار اور ضرورت پڑنے پر استعماری عسکری حملے شاید تاریخ کے کسی دور میں نہیں ہوئے۔ اور یہ ہمہ گیر و ہمہ رس عالمی محمدی چیلنج جس سے آج اسلام دوچار ہے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مسند علم و ارشاد کے جانشینوں، انبیاء کرام علیہم السلام کے وارثوں سے پھر اسی قوت ایمانیہ۔ غیر متزلزل یقین و اعتماد علی اللہ۔ نور بصیرت فراست مومن حکمت و دانائی۔ تفقہ و تدبر۔ پختگی کردار۔ حقانیت دین پر لازوال ایقان۔ اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر انمٹ بھروسہ۔ ژرف نگاہی۔ وقت شناسی۔ وقت رسی۔ قرآن فہمی۔ حدیث دانی۔ فقیہہ النفسی۔ احاطت علمی نور باطن۔ صفائی قلب۔ عقل رسا اور جولانی طبع کا تقاضا کرتا ہے۔ جو دشمن کے ہر داؤ، گھات کو پوری طرح سمجھ کر اور ان کی ہر چال کو جان کر ہر میدان میں ان کے ہر حملہ کا نہ صرف تابڑ توڑ جواب دے بلکہ دین کے ایک فہیم و حکیم داعی کی حیثیت سے اسلام کی حقانیت، فوقیت اور ابدی و ناگزیر حقیقت ہونے کا سکہ ان کے دلوں پر بٹھا کر انہیں اسلام کا نہ صرف قائل۔ مائل و گھائل کرے بلکہ اس کا حلقہ بگوش بنا دے۔

یہ کام جس قدر ہمت و عزیمت جرأت و صبر آزمائی اور علم کے گیراؤ و گھیراؤ کا طالب ہے۔ وہ ظاہر ہے ہمارے اسلاف کی تاریخ گواہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں اپنے اس لافانی دین کی حفاظت کے لئے رجال کار پیدا کئے۔ جن کے ذریعے حکمت و فضل ربانی نے تاریخ کا رخ پھیر دیا جس امت میں ابو حنیفہؒ۔ امام مالکؒ۔ امام شافعیؒ احمد بن حنبلؒ۔ سرخسیؒ۔ ابو جعفر طحاویؒ۔ ابوبکر رازیؒ۔ ابن عبد البر اندلسیؒ۔ ابو الولید الباجیؒ۔ تقی الدین ابن دقیق العید ابن ہمام وغیرہ جیسے صدہا فقیہہ گذرے ہوں جس میں امام بخاری۔ امام مسلم۔ ترمذی۔ ابو داؤد۔ نسائی و بیہقی۔ حاکم و بیہقی حاکم و جوزی۔ ابن خوزک و قسطلانی۔ ابن حجر و عراقی۔ عینی و ذہبی جیسے محدث موجود رہے ہوں جس میں امام اشعری امام غزالی۔ امام قشیری۔ ابن تیمیہ۔ ابن قیم جیسے صدہا فرد پیدا ہوئے ہوں جس کی تاریخ طارق و ابن قتیبہ، سلیمان اعظم و صلاح الدین جیسے جانبازوں سے پر ہو۔ جس میں جنید و شبلی۔ بسطامی و جیلانی۔ شیخ اکبر و نقشبند جیسے نفوس قدسیہ برکت کا سبب بنے ہوں وہ امت پست ہمت و مایوس کیونکر ہو سکتی ہے۔

دور کیوں جائیے ہمارے اسلاف میں اس خطہ زمین میں کیا نصرت الٰہی نے پچھلے دور میں مجدد سرہندی سے لے کر شاہ ولی اللہ اور شاہ سید احمد شہید۔ امام اسمٰعیل شہید، پھر ان کے ہمہ آفتاب خانوادوں سے لے کر حضرات عبدالرشید گنگوہی۔ قاسم نانوتوی۔ شیخ الہند محمود الحسن۔ حضرت تھانوی۔ حضرت انور شاہ کشمیری۔ حضرت عزیز الرحمن۔ حضرت حسین احمد مدنی۔ حضرت مفتی محمد شفیع اور محمد یوسف بنوری جیسے بیسیوں نابغہ اس عصر کو وجود بخشا۔ جن میں ہر ایک ذات اسلام کی حقانیت کی نشانی دین کا ستون۔ علم کا بحر بے پیدا کنار تھا۔ آج بھی یہ حضرات

یہ حضرات ہم سے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ عصری تقاضے گو ایک گونہ اہم ہوں لیکن ان کی مثال دھوپ چھاؤں کی ہے اس لئے دین سپر انداز نہیں ہوتا۔ الحق یعلو ولا یعلیٰ ؎

حقیقت ابدی ہے مقام شبیری　　بدلتے رہتے ہیں انداز کوفی و شامی

اس لئے نئے تقاضوں کو سمجھئے، جانئے ان کی تہہ تک پہنچئے لیکن سلف کی راہ سے سرمو انحراف نہ ہو۔ احقاق حق، ابطال باطل شیوہ ہو مداہنت اور باطل سے صلح جوئی مردان حق کا شیوہ نہیں حکمت و نرمی ابلاغ حق میں مقصود ہے لیکن وہ پرکاری و تلبیس جس سے حق واضح نہ ہو جوان مردوں کا کام نہیں ؎

ہے کار جواں مرداں حق گوئی و بے باکی　　اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

عارف الہ آبادی نے خوب کہا ہے ؎

ہر چند فلاسفہ کی چناں اور چنیں رہی　　لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی

آخر میں عصری علوم کی اپنے قدیم نصاب سے پیوند کاری کے بارے میں ایک بات برملا زبان پر آرہی ہے علوم جائزہ کا جس شدت سے حملہ ہے وہ　　سوال یہ ہے کہ آیا تقسیم کار کے اس دور میں جس میں ہر فن میں مہارت ایک ضرورت بن گئی ہے ہم قدیم دینی علوم کے ماہرین پیدا کرنے کی بجائے ایسے ہر فنی غیر کاملین کی کھیپ پیدا کرنی شروع کردیں۔ جو کہ ہر کچھ جانتے ہوں اور پھر بھی کاملاً کچھ بھی نہ جانتے ہوں۔ ظاہر ہے کہ یہ غلطی یا خودکشی کوئی گوارا نہیں کر سکتا۔ لیکن موجودہ عصری علوم کی اہمیت سے بھی انکار نہیں۔ اور علماء کاملین کے ایک طبقہ کو اس کا جاننا احقاق حق اور ابطال باطل کے لئے لازم ہے۔ یہ بات معلوم ہے کہ دوسروں کے علوم سے مسلمانوں کو سب سے پہلے تیسری صدی سے پانچویں تک سابقہ پڑا تھا۔ جب کہ یونانی، رومی، ہندی اور ایرانی علوم مسلمانوں میں در آئے تھے۔ اور ان کی وجہ سے ایک طبقہ شک و ریب میں مبتلا ہونے لگا تھا۔ اس دور کے ان مشرقی اور مغربی علوم کا مداوا ان بزرگوں نے کیا تھا۔ ان کے سرخیل امام غزالی، امام رازی اور امام عشری وغیرہ تھے۔ انہوں نے ان علوم کو ہوبہو اپنے نصاب میں داخل نہیں کیا تھا۔ بلکہ پہلے انہیں مسلمان کیا تھا۔ پھر ان کی تعلیم کو مسلمانوں میں رائج کیا تھا۔ ؏

ساقی پلائے پھول تو کانٹا نکال کے

دیکھنا یہ ہے کہ موجودہ علوم کے بحر ظلمات کو آب حیات اور اس گنگا جل کو کوثر و تسنیم کون بناتا ہے ضرورت ہے کہ ابتدا سے پیوند کاری کی بجائے تخصص کے طور پر مختلف علوم میں سے مختلف شناخوں کو لیا جائے۔ اور اسے جان اور سمجھ کر جو اسلام کے مطابق ہیں خذ ما صفا ودع ما کدر کے اصول کے مطابق اسے رہنے دیا جائے جو باطل ہے۔ بغیر کسی مداہنت کے اس کا رد کیا جائے۔ اور جہاں تطبیق ممکن ہے گوارا کیا

کیا جائے۔ اس طرح زہر قند اور شراب سرکہ بن سکتی ہے۔ علوم سے استفادہ منع نہیں۔ سوال اجتناب ضرر کا ہے۔ کاش اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ زمانے کے تقاضوں کو سمجھیں اور ایک ایسی نیوڈالیں جس سے یہ لافانی دین اپنی جملہ بہاروں کے ساتھ پھر سے عالم کو گلزار بنا سکے۔ کہ اسلام آخری دین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی اور یہ امت آخری اور لافانی امت ہے۔ ؎

مٹ نہیں سکتا کبھی مرد مسلمان کہ ہے — اس کی اذانوں سے فاش سر کلیم و خلیل
بیا تا گل بافشانیم و مے در ساغر اندازیم — فلک را سقف بشگافیم و طرح دگر اندازیم
اگر غم لشکر انگیزد کہ خون عاشقان ریزد — من و ساقی بہم سازیم و بنیادش بر اندازیم

خوشخبری

دعواتِ حق کی دوسری جلد

شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہ کے خطبات و مواعظ اور ارشادات کا عظیم الشان مجموعہ علم و حکمت کا گنجینہ جس کی پہلی جلد کو ہر طبقے میں سراہا گیا۔ اور اہل علم و خطباء اور تعلیم یافتہ طبقہ نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور جس کا کوئی ایک نسخہ بھی اس وقت دستیاب نہیں ـــــ الحمد للہ کہ انتظار شدید کے بعد اسکی دوسری جلد کتابت و طباعت کے مراحل سے گزر کر شائع ہوگئی ہے۔ تقریباً ساڑھے پانچ سو صفحات پر مشتمل اس دوسری جلد میں بھی دین و شریعت۔ اخلاق و معاشرت۔ علم و عمل۔ نبوت و رسالت۔ شریعت و طریقت کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس پر حضرت مدظلہ نے عام فہم اور درد و سوز میں ڈوبے ہوئے انداز میں گفتگو نہ کی ہو۔ آج ہی کتاب طلب کیجئے ورنہ جلد اوّل کی طرح اسکی نایابی پر بھی افسوس کرنا پڑے گا۔ صفحات ۵۲۰۔ قیمت چالیس روپے۔ طباعت آفسٹ۔ جلد دیدہ زیب۔

مؤتمر المصنفین ـــ دارالعلوم حقانیہ۔ اکوڑہ خٹک۔ (پشاور)